اسلامی ریاست میں قومی قیادت کے انتخاب کے اصول اور اسلامی تعلیمات

The rules of selection of national leadership in an Islamic state and Islamic teachings

* ڈاکٹر فیاض احمد فاروق

** ڈاکٹر رضیہ شبانہ

Abstract:

Concept of leadership is a comprehensive and holistic notion. To run the system as per law is its fundamental principle. This research paper throws light on guiding principles of national leadership in light of Islamic teaching. Whenever these golden ideals were being observed by the Muslim leaders, they remained successful over the span of 1400 years. A leader should be capable physically, mentally, spiritually and administratively as guided in Quran and Sunnah. Tolerance, piousness, God fearing, and integrity should be his/her chief attributes. It is need of the hour that Islamic states could be governed effectively by inducting and electing leadership with such lofty characteristics.

Key words:*Leadership, Muslim leaders, Islamic State, Governance, Quran and Sunnah*

تعارف

جب سے انسان کی معاشرتی زندگی کا آغاز ہوا، تب سے انسانی زندگی تہذیب و تمدن کا گہوارہ بنتی چلی گئی۔ ہر دور میں انسان نے بہتر زندگی گزارنے کے لیے اپنی کوششوں اور مہارتوں کا استعمال کیا اور ایسے اصول وضوابط بنائے جس سے انسانی زندگی میں نکھار پیدا ہوا۔ جہاں تک انسان کی معاشرتی زندگی کا تعلق ہے تو چونکہ انسان اجتماعیت پسند ہے اور اجتماعی زندگی گزارنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان قائم کردہ منظم اصولوں کے تحت زندگی بسر کرے اور ایک ایسا اجتماعی نظام ہو جس میں نظم وضبط کو برقرار رکھا جائے اور افراط و تفریط کا خاتمہ کر کے عدل و انصاف پر مبنی معاشرے کی بنیاد رکھی جائے۔ اس کے لیے ایک ایسے نظام کی بھی ضرورت پیش آتی ہے جس میں ایک قائد (حاکم) ہو جو تمام انسانوں کی ایک ریاستی نظام کے تحت قیادت کرے تاکہ تمام انسان اپنی فطری ضرورتوں اور ریاستی اصولوں کے مطابق منظم زندگی بسر کر سکیں۔

اگر فکری بنیادوں پر اس کا جائزہ لیا جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ جونہی معاشرہ وجود میں آتا ہے انسان کی حیوانی فطرت ابھرتی ہے اس فطرت میں تشدد و عداوت بھی داخل ہوتی ہے جو اسے دوسروں سے نبرد آزما ہونے پر اکساتی ہے۔ اگر کوئی اور نظام کارفرما

* اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ، انسٹی ٹیوٹ آف سدرن پنجاب ملتان۔

** ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان۔

ہو تو شاید انسان باہم جنگ وجدل کرتے ہی رہیں اور پھر ختم ہو جائیں۔ لہٰذا ایک ایسے نظام مملکت کی ضرورت پیش آتی ہے۔ جہاں ایک حاکم بھی ہو جو انسانوں کو لڑنے مرنے سے روک سکے۔([1])

دنیا میں عام طور پر قیادت کا تصور سیاست سے وابستہ سمجھا جاتا ہے اور قائد یا سربراہ ایسا شخص ہوتا ہے جو سیاست کے میدان میں ہمہ وقت مصروف رہے، سیاسی تحریکوں کی قیادت کرے اور اقتدار کے ایوانوں تک پہنچ کر حکمرانی حاصل کرے۔ جہاں تک قیادت کا تعلق ہے تو کامیاب قائد اس شخص کو سمجھا جاتا ہے جو زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اپنا حامی بنا لے اور اپنے مفاد کے لیے ان کا استعمال کرے۔ حقیقت میں یہ قیادت کا ایک محدود تصور ہے، قیادت کا تصور صرف سیاست تک محدود نہیں، بلکہ زندگی کے ہر پہلو میں قائد یا سربراہ کا تصور ملتا ہے۔ صحیح معنوں میں قائد اس شخص کو کہا جاتا ہے جو حالات حاضرہ سے مکمل واقفیت رکھتا ہو، حالات کی نزاکت کو سمجھتا ہو، حالات کے مطابق لائحہ عمل اختیار کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، وقتی تقاضوں کے مطابق حالات کا رخ بدلنے میں مہارت تامہ رکھتا ہو اور یہ جانتا ہو کہ کن حالات میں کیسے لوگوں میں اتحاد و حدت کی کیفیت کو اجاگر کر کے انھیں کامیاب منزل کی طرف لایا جاسکتا ہے۔ انسان اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں بھی اسی وقت کامیابی سے ہمکنار ہو سکتا ہے جب اس کے اندر قائدانہ صلاحتیں بدرجہ اتم موجود ہوں۔ قائدانہ صلاحیت اللہ کی طرف سے ودیعت کردہ ایک نعمت ہے۔ یہ نعمت سب انسانوں کو ودیعت کی گئی ہے مگر بہت کم لوگ اس نعمت کا استعمال کرتے ہیں۔ جو لوگ بہتر انداز میں اس نعمت کا استعمال کر کے اپنی قائدانہ صلاحیتوں سے لوگوں کی بہتری (انفرادی اور اجتماعی سطح پر) اور ریاستی نظام کی بہتری کے لیے کام کرتے ہیں تاریخ میں ایسے لوگوں کا نام بھی سنہرے الفاظ کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔

لہٰذا ضروری ہے کہ لفظ قیادت کی پہلے وضاحت کرلی جائے تاکہ اس سے معلوم ہو جائے کہ قائد سے کیا مراد ہے اور بعد میں ان بنیادی اصولوں پر بحث کی جائے جو ایک کامیاب راہنما کے طور پر ذکر کیے جاتے ہیں۔

قیادت کا لغوی مفہوم

جہاں تک قیادت کے مفہوم کا تعلق ہے تو مختلف ماہرین لغت نے اس لفظ کے مفہوم کی وضاحت ان الفاظ میں کی ہے

ابن منظور افریقی "لسان العرب" میں لکھتے ہیں

> والقائد واحد القواد والقادة ورجل من قوم-قود وقواد وقادة واقاده خيلا اعطاه اياه ئقودها،واقدتک خيلا تقودها۔([2])

> " قائد قواد کا واحد ہے، قوم کے راہنما کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ قود سے مراد وہ مخصوص گھوڑے بھی ہیں جو سپاہ بوقت ضرورت استعمال کرنے کے لیے رکھتے ہیں۔ قود کا اسم فاعل قائد ہے جس کی جمع قواد ہے۔ جو کسی بھی ادارہ کے راہنما، نمایاں شخصیت، امام اور حاکم کے لیے استعمال ہوتا ہے اسی مناسبت سے القائد من الجبل کی اصطلاح پہاڑ کی چوٹی کے لیے استعمال ہوتی ہے"۔

لوئس معلوف المنجد میں لکھتے ہیں

> "قیادۃ قاد یقود، قود اسے مصدر کا صیغہ ہے۔ وقیادۃ الجیش لشکر کا سردار ہونا مراد ہے۔ القائد اسم فاعل ہے"۔([3])

جہاں تک قیادت کا تعلق ہے تو قیادت کرنے والے شخص کو قائد کہا جاتا ہے، گویا قیادت کرنے والا وہ شخص ہوتا ہے جو قائد کے طور پر جو کسی گروہ یا جماعت کے آگے چل رہا ہو اور باقی لوگ اس کے پیچھے چل رہے ہوں۔

مرتضی زبیدی نے قائد اور قیادت وغیرہ کو اسی سے مشتق ذکر کیا ہے۔ ان کے نزدیک یہ سوق کی نقیض ہے۔ کیونکہ جانور کی نقیل پکڑ کر آگے چلنے کے لیے "یقود الدابۃ" اور پیچھے سے ہانکنے کے لیے "یسوقہا" استعمال ہوتا ہے گویا قود آگے ہو کر راہنمائی کرنا ہے نیز اسی سے قیادہ (ق کی کسرہ کے ساتھ) آتا ہے۔([4])

مختصر اردو لغت میں قائد کے تین معنی بیان کیے گئے ہیں

ا۔ فوج کا سردار، حاکم ۲۔ اندھے کی لاٹھی پکڑ کر اس کو راستے پر لے جانے والا ۳۔ راہنما، لیڈر ([5])

اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں قائد کا مطلب درج ذیل بیان ہوا ہے

"قائد کا مطلب راہنما یا سردار کا ہے۔ معنوی اعتبار سے اس کا اطلاق ہر اس شخص پر ہوتا ہے جو بغرض راہنمائی آگے چلے"۔([6])

قائد کے لیے امام کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے، اردو دائرہ معارف اسلامیہ کا مقالہ نگار لکھتا ہے

"امام وہ ہستی ہے جو سب سے آگے ہو اور سب کا رہنما ہو امام قافلہ کا وہ رکن ہے جو آگے آگے چلتا ہے امام زعیم امت ہے اور اسلامی نظام کا رئیس اور صدر ہے"۔([7])

اسی طرح سربراہ کے لیے رئیس کا لفظ بھی مستعمل ہے جس کا مطلب ہے "سردار، فرماں روا"۔([8])

فیروز الغات میں رئیس سے مراد ہے

"سردار، فرماں روا، دولت مند اور رئیس سے رئیس با اختیار بنا جس کا مطلب "وہ رئیس جس کو حکومت کی طرف سے مالی اور ملکی اختیارات ملے ہوں اور رئیس خود مختار سے مراد وہ رئیس جو ملکی انتظامات میں کسی کا ماتحت نہ ہو"۔([9])

گویا ہم کہہ سکتے ہیں کہ قائد سے مراد سربراہ، راہنما جو آگے بڑھ کر لوگوں کی قیادت کرے، اور قومی قائد سے مراد وہ شخص ہے جس کی ملکی حالات، حکومتی نظام اور اندرونی اور بیرونی حالات پر نظر ہو۔ وہ پالیسی دینے (بنانے اور نافذ) کی صلاحیت رکھتا ہو، قومی اور عوامی مشکلات سے بخوبی آگاہ ہو اور بروقت اور برمحل فیصلے کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو۔

جہاں تک قائد اور قیادت کا تصور ہے تو معاشرتی اور سیاسی (دونوں) نظاموں میں اس کا تصور موجود ہے۔ قائد کا تصور ہمیشہ اجتماعی نظام (جہاں لوگوں کی کثیر تعداد موجود ہو) میں اہمیت کا حامل تصور کیا جاتا ہے۔ چنانچہ تمام لوگوں کی راہنمائی کے لیے، پیش آمدہ مسائل کے حل اور انفرادی اور اجتماعی تعمیر و ترقی کے لیے بھی قیادت کی ضرورت ہوتی ہے۔ صحیح معنوں میں قائد صرف وہی شخص ہو سکتا ہے جس کی حالات پر نظر ہو، بنیادی مسائل سے واقف ہو، ان مسائل کو حل کرنے کے طریقہ کار سے بخوبی آگاہ ہو اور اتنی انتظامی صلاحیت بھی رکھتا ہو کہ وہ ان مسائل کو سمجھ کر پھر ان کو حل بھی کر سکے۔ ہمارے معاشرتی نظام میں خاندانی نظام ہو، سماجی نظام ہو یا سیاسی نظام میں حکومت یا حکومتی ذمہ داریاں ہوں ان تمام معاملات کے لیے اچھے قائد کی ضرورت ہوتی ہے

تاکہ انفرادی اور اجتماعی معاملات سے متعلق تمام کام بخوبی و باحسن سرانجام دیے جاسکیں۔اس لیے آنے والے صفحات میں ہماری ساری گفتگو قومی قائد کے پس منظر میں کی جائے گی۔اب جہاں تک ملکی نظام اور حکومتی معاملات کا تعلق ہے تو اس کے لیے بھی کسی قائد، رہنما اور رہبر کی ضرورت ہوتی ہے۔ایسا شخص جس کے پیش نظر ملکی اور ریاستی نظم و نسق ہو حکومتی معاملات اور حکومتی نظام پر اس کی نظر ہو تاکہ ریاستی نظم و نسق کو حالات اور ملکی تقاضوں کی روشنی میں چلایا جاسکے اور سیاسی نظام (جس کا بنیادی ڈھانچہ حکومت کو تصور کیا جاتا ہے) کو بھی بہتر انداز میں دیکھا جاسکے۔

قومی قائد اچھا اور ماہر سیاست دان ہونا چاہیے، اس حوالے سے ابن طباطبا لکھتے ہیں کہ

> ”فرمانروا کے لیے سیاست بھی درکار ہوتی ہے یہی فرمانروا کا راس المال ہے۔اس سے خونریزی کی روک تھام اور مال کی حفاظت ہوتی ہے۔عصمتوں کا تحفظ، شرارتوں کا سدباب، فسادات کا قلع قمع، ظلم کا انسداد، فتنوں اور بے اطمینانیوں کا علاج سب کچھ اسی کا صدقہ ہے“۔(10)

ابو الفضل فیضی کے نزدیک ایک سچے قائد، منتظم اور بادشاہ کی حکومت میں خلوص، صحت، عفت و پاکبازی، انصاف، شائستہ اخلاق و وفاداری، سچائی اور ترقی خلوص و محبتوں کی برکتیں ظہور پذیر ہوتی ہیں۔(11)

اسلامی ریاست کا نظم و نسق چلانے کے لیے ایسے قائد اور حکمران کی ضرورت ہوتی ہے جس کی بنیادی تعلیم و تربیت، خوف خدا، ایمانداری، سادگی، شرافت، دیانتداری، نیک نیتی، انسانیت کی عزت و احترام اور خدمت خلق کے جذبوں کی بنیادوں پر ہو، تاکہ ملک میں معاشرتی عدل اور معاشی انصاف کو بروئے کار لاکر معاشرے میں عدل و مساوات کو قائم کرکے ایک اچھے منتظم اور قائد کا فریضہ بھی ادا کیا جاسکے۔

قومی قیادت کے لیے انتخاب کے اصول

جہاں تک قومی قیادت کا تعلق ہے تو قومی قائد سے مراد ایسا شخص جو ملکی اور حکومتی سطح پر تمام معاملات کی دیکھ بھال کرے اور قوم و ملت کی تعمیر و ترقی میں اپنا کردار ادا کرے۔اس تعمیر و ترقی میں یہ کردار ہر قائد کی صلاحیتوں کا عکاس ہوتا ہے۔یہاں ہم چند ایک ایسے راہنما اصولوں کا ذکر کرتے ہیں جن اصولوں کو قوموں کی تعمیر و ترقی، ریاستی نظم و نسق اور مفاد عامہ کی خوش حالی کے لیے پیش نظر رکھا جاتا ہے۔

ا۔ تعلیم یافتہ ہونا

کسی بھی قومی قائد اور راہنما کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ تعلیم یافتہ ہو، کیونکہ علم سے ہی شعور حاصل ہوتا ہے اور شعور انسان کو کامیابی کی منازل کی طرف لے جاتا ہے۔اسی لیے قرآن کریم میں بار بار اسی طرف نشاندہی کی گئی ہے کہ غور و فکر اور تدبر کرو اسی سے تم اپنے مسائل حل کرسکتے ہو اگر تم ایسا نہیں کروگے تو پھر اپنے نقصان کے ذمہ دار آپ خود ہوں گے اور اس کی آپ کو خبر بھی نہیں ہوگی۔اسی لیے پہلی وحی میں بھی علم کی اہمیت کی وضاحت کردی گئی کہ آپ کا سب سے پہلا کام ہی یہی ہے کہ علم حاصل کرو علم ہی آپ کو شعور کی بلندیوں کی طرف لے جاتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا، قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ قَالَ اِنَّ اللهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللهُ يُؤْتِىْ مُلْكَه مَنْ يَّشَاءُ وَاللهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ(12)

"ان کے پیغمبر علیہ السّلام نے کہا کہ اللہ نے تمہارے لیے طالوت کو حاکم مقرر کیا ہے۔ ان لوگوں نے کہا کہ یہ کس طرح حکومت کریں گے ان کے پاس تو مال کی فراوانی نہیں ہے ان سے زیادہ تو ہم ہی حقدار حکومت ہیں۔ نبی نے جواب دیا کہ انہیں اللہ نے تمہارے لیے منتخب کیا ہے اور علم و جسم میں وسعت عطا فرمائی ہے اور اللہ جسے چاہتا ہے اپنا ملک دے دیتا ہے کہ وہ صاحب وسعت بھی ہے اور صاحبِ علم بھی"۔

حکمرانی اور قیادت کے لیے دولت کی نہیں بلکہ علم و فراست کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قائد حکمرانی کے اصول و ضوابط سے واقف ہو، فیصلہ سازی اور پالیسی سازی میں مہارت تامہ رکھتا ہو تاکہ ریاستی نظم و نسق کو بہر انداز مین چلا سکے۔ جدید ریاستی نظام میں قائد میں علم اور فہم و فراست کی بجائے مال و دولت کو دیکھا جاتا ہے۔ اس لیے مملکت پاکستان میں اس نظریے کو بھی بدلنے کی ضرورت ہے قائد اور حکمران ایسا ہونا چاہیے جو اعلیٰ تعلیم یافتہ ہو تاکہ وہ ریاستی نظام کو بہتر طور پر چلا سکے۔ اس لیے حکمران اہل، ماہر اور تعلیم یافتہ ہونا چاہیے۔

۲۔ ماہر منتظم

ایک اچھے قائد کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ایک اچھا منتظم بھی ہو۔ وہ انفرادی اور شخصی مفاد سے زیادہ قومی اور اجتماعی مفاد کے حصول اور استحکام کی کوشش کرے۔ اس کی وضع کردہ پالیسیوں سے اس کی حکمت عملی واضح ہونی چاہیے کیونکہ قائد کی پالیسیاں ہی اس کی شخصیت کا عملی نمونہ ہوتی ہیں۔ شخصی یا جماعتی بنیادوں پر محض لوگوں کی ہمدردیاں سمیٹنے کے لیے یا اندرونی اور بیرونی دباؤ میں ایسا کوئی کام نہیں کرنا چاہیے جس کا مستقبل قریب میں عوام اور ریاست کو نقصان ہو۔ محض سیاسی مقاصد کے لیے پالیسیاں وضع کرنے اور مفاد عامہ کے نام پر سیاسی اثر رسوخ اور سیاسی اجارہ داری بھی قائم نہیں کرنی چاہیے۔ ایک اچھے قائد اور حکمران کے لیے ضروری ہے کہ وہ ریاست کے وسائل کا بہتر طریقے سے استعمال کرے۔ ریاستی نظام کا بنیادی مقصد لوگوں کا معیار زندگی بہتر بنانا ہوتا ہے اس لیے ایسی پالیسیاں بنانی چاہیں جس سے لوگوں کا معیار زندگی بہتر ہو، غربت کا خاتمہ ہو اور تمام لوگوں کو مساوی معاشی حقوق حاصل ہوں۔ اسلامی ریاست میں سربراہ ریاست اور سربراہ حکومت کی ذمہ داریوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ مستحق اور غریب افراد کا پتہ چلائے پھر ان کی مدد کرے۔ جب حضرت عمر فاروقؓ نے عراق کی مفتوحہ زمینوں کو بیت المال کی ملکیت میں لیا تو فرمایا۔

فلئن عشت فلیاتین الراعی وھو بسرد وحمیر نصیبہ منھا لم یعرق فیھا جبینہ (13)

"اگر میں زندہ رہا تو سرد اور حمیر کے اس چرواہے کو بھی اس میں سے حصہ پہنچے گا جس کی پیشانی پر پسینہ نہیں آئے گا"۔

اسلامی مملکت میں جیسے عوام کے حقوق بڑھتے ہیں عمال حکومت کی ذمہ داریاں بھی بڑھ جاتی ہیں تاکہ رعایا کے بنیادی حقوق کا تحفظ کرکے انھیں معاشی طرپر مستحکم کیاجاسکے۔ حکمران عوام پر ٹیکس کی صورت میں اتنا بوجھ نہ ڈالے کہ وہ برداشت نہ کر سکیں اور ان کی زندگی سخت ہوجائے۔ پھر حکمران اور قائد کے لیے ضروری ہے کہ یہ ٹیکس عوام الناس پر خرچ کرے اور عوامی فلاح کے ایسے کاموں پر خرچ کرے جس سے رعایا کو فائدہ ہو۔

۳۔ بردبار حکمران

قائد ہمیشہ عقل مند اورباشعور ہونا چاہیے ،جو لوگوں کی مزاجی کیفیت سے واقف ہو،ریاستی نظام کو چلانا جانتا ہو اور عجلت پسندی اور طیش مزاج نہ ہو۔لوگوں کے ساتھ اس کا رویہ اخوت و محبت والا ہو تاکہ رعایا بھی اس حاکم کی خیر خواہی کرے۔

حضرت عمرؓ فاروق نے اپنے ایک خطبہ میں حکام اورامراء کو مخاطب کر کے فرمایا:

> "ایک افسر اور حاکم کی بردباری سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو کسی کی بھی بردباری اور نرمی پسند نہیں ہے۔ اور نہ اس کی بردباری اور نرمی سے زیادہ کسی کی بردباری اور نرمی کا فائدہ وسیع اور عام ہے۔اسی طرح ایک حاکم اور ایک قائد کی طیش مزاجی اور جہالت سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی کی طیش مزاجی اور جہالت مبغوض نہیں ہے ، اور نہ اس کی طیش مزاجی اور جہالت سے زیادہ کسی کی جہالت اور طیش مزاجی کا ضرر عام ہے۔جو شخص لوگوں کے درمیان سلامتی کی روش اختیار کرتا ہے وہ اوپر (اللہ تعالیٰ) سے سلامتی اور عافیت کا انعام پاتا ہے"۔(14)

حضرت عمر فاروقؓ رعایا کے لیے نہایت شفیق و رحیم تھے کوئی سختی رعایا پر ڈالنا پسند نہیں کرتے تھے ،یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے خراج کی شرح نہایت نرمی سے مقرر کی تھی اور احتیاط کا یہ عالم تھاکہ عمال سے بار بار پوچھتے تھے کہ آیا یہ مال کسی پر ظلم و ستم کر کے تو اکٹھا نہیں کیا۔امام ابو یوسف کتاب الخراج میں لکھتے ہیں کہ

> کان یجبی العراق کل سنة مائة الف الف اوقیة ظم یخرج الیه عشرة من اھل الکوفة وعشرة من اھل البصره یشھدون اربع شھادات باللہ انه من طیب مافیه ظلم مسلم ولا معاھد(15)

> " ہر سال جب عراق سے زکواۃ و خراج کی آمدنی وصول ہوتی تو دس معتبر اشخاص بصرہ سے اور دس کوفہ سے طلب کیے جاتے۔حضرت عمرؓ ان کو چار دفعہ قسم دلاتے تھے کہ یہ مال گزاری یا زکوٰۃ کسی ذمی یا مسلمان پر ظلم کر کے تو نہیں لی گئی"۔

حضرت عمر فاروقؓ نے ایک پورے نظام کی بنیاد ڈال دی جو کسی بھی مملکت اور ریاست کے لیے بنیادی ڈھانچہ ہو سکتی ہے۔اس میں سرکاری مناصب کے استعمال اور اس کی ذمہ داریاں،سرکاری مناصب کے اختیارات اور پھر اختیارات کے نامناسب استعمال پر گرفت کا تصور موجود ہے۔

۴۔ لوگوں کی جان ومال کا محافظ

کسی بھی راہنما اور سربراہ کے لیے ضروری ہے کہ لوگوں کی جان و مال کا تحفظ کرے تاکہ وہ بلاخوف وخطر اپنی زندگی گزار سکیں۔ ہ بنیادی اصول مقاصد شریعہ میں بھی شامل ہیں اور اس کا مطلب ہے کہ یہ کسی بھی معاشرے کی اساس ہیں۔ اس لیے انسانوں کی جان ومال کا تحفظ بہت اہم سمجھا جاتا ہے۔ چناچہ اسلامی ریاست کے حکمران بھی ایسے ہونے چاہیے جو شہریوں کے جان ومال کی حفاظت کریں۔ قومی قائد ریاست کے تمام افراد کے جان ومال کا محافظ ہوتا ہے۔ جس معاشرے کے افراد کو ہر وقت جان ومال کا خطرہ لاحق ہو وہاں نہ پائیدار اجتماعیت جنم لیتی ہے نہ ریاست اور شہریوں کے درمیان معاہدے پر مبنی جو اطاعت ہے وہ برقرار رہتی ہے اور ایسا معاشرہ خطرناک قسم کے انتشار اور ابتری کا شکار ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اسی کے پیش نظر حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا تھا

فان دماءکم واموالکم واعراضکم بینکم حرام کحرمۃ یومکم ھذا[16]

"بلا شبہ تمہاری جان ومال اور آبرو ایک دوسرے کے لیے اسی طرح حرام ہیں جس طرح آج کا یہ دن حرمت والا ہے"۔

مصر کے مشہور عالم محمد حسین ہیکل اپنی کتاب "الفاروق عمر" میں لکھتے ہیں:

"عام الرمادہ میں لوگوں نے دیکھا کہ حضرت عمرؓ کا سرخ وسفید رنگ بالکل سیاہ پڑ گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ زمانہ قحط میں، رعایا کی تکلیف میں شریک ہونے کے خیال سے انہوں نے اپنے اوپر گھی اور دودھ وغیرہ قسم کی چیزیں بالکل حرام کرلی تھیں۔ زیادہ تر بھوکے رہتے۔ یہاں تک کہ لوگ ان کی حالت دیکھ کر کہنے لگ گئے کہ اگر قحط دور نہ ہوا تو حضرت عمرؓ کو رعایا کا غم ہلاک کر ڈالے گا"۔[17]

گویا حضرت عمر فاوقؓ نے قحط کے زمانہ میں گھر میں کھانا کھانا ترک کردیا۔ باہر بھوکوں کو کھلانے کے لیے جو کچھ پکواتے وہی کھانا عام لوگوں کے ساتھ خود بھی کھالیتے تھے۔ پاکستان کے شہریوں کو ایسا سازگار ماحول اور فضا مہیا ہونی چاہیے، جہاں ان کے جان ومال کو تحفظ حاصل ہو، اور انھیں اپنی پسند کی زندگی گزارنے کا حق اور آزادی بھی میسر ہو، اور یہ سب اسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے جب حکمرانوں اور قومی قائدین میں یہ احساس پیدا ہو جائے۔

امام غزالی کے نزدیک بھی ضروریات زندگی کو پورا کرنا امام کے ذمہ ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

"سلطان پرو اجب ہے کہ جب اس کی رعایا تنگی میں مبتلا ہو اور فاقہ اور مصیبت سے دو چار ہو تو اس کی مدد کرے بالخصوص قحط اور گرانی کے زمانہ میں کیونکہ ایسے حالات میں لوگ کسب معاش میں ناکام رہتے ہیں۔ اور گزراوقات کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ ایسے حالات میں سلطان کو چاہیے کہ ان کو کھانا فراہم کرے اور ان کے خزانے میں انہیں مال دے کر ان کی حالت بہتر بنائے"۔[18]

ابو الفضل ابن مبارک(۱۶۰۲ء) آئین اکبری میں معیاری بادشاہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"حاکم عادل ایک عقلمند ،روشن خیال، انصاف پرور اور خداترس انسان ہوتا ہے جو تمام ہی انسانوں سے محبت کرتا ہے، ہر فرقے اور مذہب والوں کا خیر خواہ، اپنی رعایا کا نگہبان اور کمزوروں کے لیے ایک آہنی قلعہ اور روحانی زرہ ہوتا ہے۔وہ ایسا حکمراں ہوتا ہے جو رعایا کے مراتب کا لحاظ کرتا ہے ، لوگوں کو قوت عمل بیدار کرتا اورا ن کی صلاحیتوں کو اچھائی کے لیے کام میں لاتا اور مختلف گروہوں کو متحد کرکے یک جان ویک قالب بنادیتا ہے۔وہ ہمیشہ اتحاد ویک جہتی کے پرتو اور صلح کل کے اصول کو اپنی زندگی کا آورش بنا کر منتشر انسانوں کی شیرازہ بندی کرنے کی کوشش کرتا ہے"۔([19])

انسانی حقوق کا ضیاع اور ان کی حق تلفی سے متعلق اسلامی تعلیمات میں واضح وعید سنائی گئی ہے کہ جو حاکم اس دنیا میں اپنی رعایا کی ضرورتوں کو پورا اور ان کے حقوق کا خیال نہیں کرے گا تو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ بھی ایسے حاکم کا خیال نہیں کرے گا۔

حدیث مبارکہ میں اس کی وضاحت یوں ملتی ہے

سمعت رسول اللهﷺيقول: من ولى من امر المسلمين شيئا فاحتجب دون خلتهم وحاجتهم وفقر هم وفاقتهم احتجب الله عزوجل يوم القيامة دون خلته وفاقته وحاجته وفقره ([20])

"میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ جو شخص مسلمانوں کے کسی معاملہ کا ولی (حاکم وحکمران) بنا، پھر وہ ان (مسلمانوں) کی ضرورت، حاجت، فقر اور فاقہ سے چھپ گیا (اور انکی پہنچ سے دور ہوگیا) تو اللہ عزوجل قیامت کے دن اس کی ضرورت وحاجت اور فقروفاقہ سے حجاب (وردی) اختیار کرے گا"۔

ایک اور حدیث مبارکہ میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے

قال عمر بنو بن مرة لمعاويه انى سمعت رسول اللهﷺ يقول: مامن امام يغلق بابه دون ذوى الحاجة والخلة والمسكنة الا اغلق الله ابواب السماء دون خلته وحاجته ومسكنته([21])

"عمر بن مرۃ سے روایت ہے کہ کہ انھوں نے معاویہؓ سے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے: جو بھی حاکم حاجت مندوں، محتاجوں اور مسکینوں کے لیے اپنے دروازے بند رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی ضرورت، حاجت اور مسکنت کے لیے اپنے دروازے بند رکھتا ہے"۔

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے حکمران اور قائدین کے لیے شدید وعید کی گئی ہے جو ضرورت مند عوام ورعایا کی پہنچ سے دور بیٹھ جاتے ہیں، جن سے ضرورت مندوں کو سوال کرنا اور بات چیت وغیرہ کے ذریعہ سے

رابطہ کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ اس لیے شریعت کے بنیادی مقاصد میں اس بات کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ حکمران اور راہنما کو چاہیے کہ لوگوں کی جان ومال کا تحفظ کر کے ان کی بنیادی ضرورتوں کو پورا کرے اور ان کے لیے ایسی پالیسیاں وضع کریں جن سے عوام الناس کو براہ راست استفادہ کا موقع ملے۔

۵۔ عوامی خیر خواہی

قیادت و سیادت کوئی پیشہ نہیں بلکہ یہ ایک بنیادی ذمہ داری ہے جو اس شخص کو عطا کی جاتی ہے جس میں اس ذمہ داری کو پورا کرنے کی صلاحیت بھی موجود ہو، تاکہ وہ اس صلاحیت کی بنیاد پر تمام لوگوں کی قیادت کرے۔ اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ تمام لوگوں کی نہ صرف رانمائی کرے بلکہ ان کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ بھی کرے۔ اسلام میں حاکم کو ہمیشہ عوام اور رعایا کے ساتھ بھلائی اور خیر خواہی کا درس دیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے۔

> اللهم من ولی من امر امتی شیئافشق علیهم فاشقق علیه ومن ولی من امر امتی شیئا فرفق بهم فارفق به (22)

> "حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ جو شخص میری امت کے لوگوں کے کسی معاملہ کے ذمہ دار بنایا جائے اور وہ ان کی مشقت میں ڈالے تو تو بھی اس کو مشقت میں ڈال اور جو شخص میری امت کے کسی معاملہ کا ذمہ دار بنایا گیا اور اس نے ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کیا تو تو بھی اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ کر"۔

ایک حدیث میں حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا

> کان رسول الله ﷺ اذا امیرا علی جیش، اوسریة، اوصاه فی خاصته بتقوی الله، ومن معه من المسلمین خیرا۔(23)

> "رسول اللہ ﷺ جب کسی کو کسی لشکر یا چند لوگوں کا امیر (اور وزیر) بناتے تھے، تو اس کو اپنی ذات کے لیے اللہ سے تقویٰ کی وصیت فرماتے تھے، اور اس کے ساتھ (ماتحتی میں) جو مسلمان ہیں، ان کے لیے خیر کی وصیت فرماتے تھے"۔

مطلب یہ ہے کہ حکمران اور قومی قائد کو چاہئے کہ اپنے اندر تو تقویٰ اور اللہ کا خوف پیدا کرے تاکہ لوگوں کے حقوق کو پورا کرنے، ان کے ساتھ خیر خواہی کرنے اور اپنے عہدہ کی ذمہ داریوں کا احساس ہو، اور اپنے ماتحت لوگوں اور عوام ورعایا کے ساتھ خیر خواہی اور نرمی والا برتاؤ کرے، تاکہ اللہ تعالیٰ بھی اس قائد کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ کرے اور اس کا سینہ مفاد عامہ کے لیے پالیسیاں وضع کرنے کے لیے کھول دے اور اس کے دل میں احساس ذمہ داری کی کیفیت پیدا کر دے اور اپنی رحمت سے اس کو نواز دے۔ جو حکمران اور قائد عوام کے حقوق کا خیال نہیں کرتا اور عوام الناس کی بھلائی کے لیے اقدامات نہیں کرتا اور نہ عوام کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ کرتا ہے تو تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں ایسے شخص کو جنت کی خوشبو سے بھی دور رکھا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے

من استرعى رعية، فلم يحطهم بنصيحة، لم يجد ريح الجنة، وريحها يوجد من مسيرة مائة عام۔([24])

"جو شخص کسی رعایا کا حاکم (وحکمران) بنا، پھر اس نے اپنی رعایا کی خیر خواہی کے ساتھ رعایت نہ کی، تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پاسکے گا، حالانکہ جنت کی خوشبو سو سال کے فاصلے سے بھی محسوس کی جاسکتی ہے"۔

اور طبرانی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

سمعت النبی ﷺ یقول: من ولی من امرالمسلمین شیئا فلم یحطهم بنصیحة کما یحیط اهل بیته فلیتبوا مقعده من النار۔([25])

"میں نے نبی ﷺ سے سنا کہ جو شخص مسلمانوں کے کسی کام کا حاکم (وحکمران) بنے، پھر وہ ان کی خیر خواہی کے ساتھ اس طرح رعایت نہ کرے، جس طرح وہ اپنے گھر والوں کی رعایت کرتا ہے، تو اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے"۔

احادیث میں خیر خواہی کے لیے نصیحت کا لفظ استعمال ہوا ہے، اور نصیحت کا لفظ بڑا جامع ہے، جس میں عوام ورعایا کے ساتھ ہمدردی وخیر خواہی کا اختیار کرنا، ان کے حقوق کو ادا کرنا، اور ان کی تکلیف وپریشانیوں اور دکھ درد کا مداوا کرنا اور انتہائی شفقت ومحبت کے ساتھ اچھی باتوں کے کرنے اور بری باتوں سے بچنے کی نصیحت کرنا سب داخل ہے۔ گویامعلوم ہوا کہ حکمران کے ذمہ عوام ورعایا کی خیرخواہی وہمدردی اور حقوق کی ادائیگی اور ان کو اچھی نصیحت کرنا ضروری ہے، اور ان کے تمام حقوق کی اسی طرح رعایت کرنا ضروری ہے، جس طرح آدمی اپنے اہل خانہ اور بیوی بچوں کے حقوق کی رعایت کرتا ہے،پھر جو شخص عوام ورعایا کے ہمہ گیر حقوق کا ذمہ دار بنا، مثلا صدر اور وزیراعظم کو ہمہ گیر حقوق میں خیرخواہی ضروری ہے، اور جو شخص کسی خاص شعبہ اور ادارہ کا ذمہ دار بنا۔ مثلاً خوراک، تجارت، زراعت، صحت بجلی، پانی، گیس، پٹرول وغیرہ تو اس کے ذمہ اس شعبہ وادارہ کے ساتھ عوام کے وابستہ ومتعلقہ حقوق میں خیر خواہی وخیر سالی ضروری ہے۔

۶۔ عادل اور امین

حکمران نظم حکومت اور ریاستی نظم ونسق کو چلانے کے لیے ہوتا ہے جبکہ قائد عوام الناس کی راہنمائی کرتا ہے ان کی قیادت کرتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ دونوں (حکمران اور قائد) کو امین ہونا چاہیے۔ حکمران کے پاس جو اختیارات ریاستی نظم ونسق کو چلانے کے لیے ہوتے ہیں حکمران ان کا امین ہوتا ہے۔ حکمران کی اس امانت کے حوالے سے احادیث مبارکہ میں بھی اس کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے

قال النبی ﷺ لاهل نجران: لابعثن، یعنی علیکم، یعنی امینا حق امین ([26])

"رسول اللہ ﷺ نے اہل نجران سے فرمایا تھا کہ میں تمہارے ہاں ایسا حاکم بناکر بھیجوں گا جو امین ہو گا، امین ہونے کا حق دار ہو گا"۔

اسی طرح ایک اور حدیث مبارکہ میں اس کی وضاحت یوں ملتی ہے

عن النبی ﷺ قال: الخازن المسلم الامین، الذی ینفذ وربما قال: یعطی ما امر بہ کاملا موفرا طیبا بہ نفسہ فیدفعہ الی الذی امر لہ بہ احد المتصدقین۔(27)

"نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان خزانچی جو امانت دار ہو اور جو اسے (امانت کے ساتھ) حکم دیا جائے وہ اسے نافذ کرے اور بعض دفعہ یہ بھی فرمایا کہ جس قدر اسے حکم دیا جائے پورا کرے، اور یہ کام (بغیر کسی لالچ اور خیانت کے) خوش دلی کے ساتھ پورا کرے اور جس کے لیے اسے حکم دیا گیا ہے اس کو (ٹھیک ٹھیک) دے، تو وہ بھی صدقہ کرنے والوں میں سے ایک ہے"۔

اس حدیث سے سرکاری املاک کے نگران وافسران کے امین یعنی امانت دار ہونے کی فضیلت معلوم ہوتی ہے کہ اگر وہ امانت ودیانت داری کے ساتھ خدمت کرے اور صاحب حق کو اس کا حق پہنچائے تو وہ اس خدمت کی وجہ سے صدقہ کرنے والے کا اجروثواب پاتا ہے۔اس میں وہ حکمران وافسران بھی داخل ہیں، جو ملکی ضرورت و مصلحت کے لئے رفاہی کاموں (راستوں، کھیل وتفریح کے میدانوں وغیرہ) کے لیے یا متاثرین کے لیے امداد فراہم کرنے پر مامور ہوتے ہیں، کہ وہ اگر سرکاری خزانہ کا ٹھیک ٹھیک بغیر کسی خرد برد کے استعمال کریں گے اور اس میں کسی لالچ اور خیانت کا ارتکاب نہیں کریں گے، تو یہ بھی بہترین صدقہ ہے جس کا انھیں ہر صورت اجر دیا جائے گا۔

لہذا حکمران کو اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کے لیے سرکاری اشیاءکا درست استعمال کرنا پڑتا ہے۔ریاستی نظم ونسق میں ایک اہم چیز ریاست کا مالیاتی نظام ہوتا ہے جس کے تحت ریاست کامعاشی نظام چلتا ہے،چناچہ اسی اہمیت کے پیش نظر اس کی دیکھ بھال بہت ضروری ہوتی ہے تاکہ مالیاتی نظم ونسق کا بہتر استعمال کر کے ریاست کو مزید خوشحال کیا جا سکے۔اس لیے کسی بھی ریاست میں بیت المال کی بہت اہمیت بیان کی جاتی ہے اور حکمرانوں کو اس کا سرپرست بنایا جاتا ہے،جس کو وہ ملکی ضروریات اور عوام کی بنیادی سہولتوں کے لیے استعمال کرتا ہے۔

بیت المال رعایا کی امانت ہے اور حکمران اس کا امین ہوتا ہے لہذا حکمرانوں کے لیے یہ بات مناسب معلوم نہیں ہوتی کہ بیت المال میں سے کوئی چیز اپنی مرضی سے لے لیں جس کا اثرعوام و رعایا پر پڑے مگر اس میں سے اتنا حصہ لے سکتا ہے جتنا اس کے لیے متعین ہو چکا ہو۔جیسا کہ حضرت عمرؓ اپنی ایک تقریر میں بیت المال میں خلیفہ(حکمران) کے حق کو بیان کرتے ہوئے فرمایا

"میرے لیے اللہ کے مال میں سے اس کے سوا کچھ حلال نہیں کہ ایک جوڑا کپڑا گرمی کے لیے اور ایک جاڑے کے لیے اور قریش کے ایک اوسط عادمی کے لیے معاش اپنے گھر والوں کے لیے لوں پھر میں بس مسلمانوں میں سے ایک آدمی ہوں"۔(28)

گویا اس سے معلوم ہوا کہ حکمران بیت المال سے زیادہ کا حق نہیں رکھا اور نہ بیت المال کو اپنی مرضی سے استعمال کر سکتا ہے۔ بلکہ بیت المال سے صرف اتنا لے سکتا ہے جتنا اس کے لیے متعین ہو چکا ہو۔ یہ بھی الگ سے ایک بحث ہے کہ پاکستانی حکمران اپنے لیے بیت المال سے کیا کچھ متعین کر لیتے ہیں ان کے مراعات کے قوانین دیکھنے کے بعد یہ حقیقت سب پر واضح ہو جاتی ہے۔ جبکہ اسوہ رسول ﷺ اور اسوہ خلفائے راشدین سے ہمیں حکمرانی کے بنیادی اصولوں کی تعلیم ملتی ہے جس کو آج اختیار کر کے ملک و قوم کی تعمیر و ترقی میں اپنا کردار ادا کیا جا سکتا ہے۔

اگر ہم اسلامی تعلیمات کا جائزہ لیں تو ہمیں یہ سنہری اصول ملتا ہے کہ قومی خزانہ سربراہ ریاست، حکمران اور ذمہ داران کے پاس ایک قومی امانت ہے اس میں ناجائز ٹیکسوں اور غضب و مظالم سے کوئی آمدنی جمع نہیں کی جا سکتی تھی نہ ہی اس آمدنی کے پہلے سے طے شدہ مصارف کے علاوہ کسی دسری مد میں خرچ کی جا سکتی ہے۔ حکمران اور دوسرے ذمہ داران کا اس آمدنی سے ناجائز فائدہ اٹھانا یا اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں کو نوازنا یا ناجائز مصارف میں خرچ کرنا بد ترین قسم کی خیانت ہے۔ لہذا اب یہ ایک مشکل امر ہے کہ اس بات کا تعین کیسے کیا جائے کہ حکمرانوں کے جائز اخراجات کیا ہیں، جن کا حاصل کرنا ان کا بنیادی حق ہے اس حوالے سے اسلام میں ہمیں واضح تعلیمات ملتی ہے

ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا

> من ولی لنا عملا ولیس له منزل فلیتخذ منزلا او لیست له زوجة فلیتزوج،او لیس له خادم فلیتخذ خادم ،او لیست له دابة فلیتخذ دابة ' فمن اصاب شیئاسویٰ ذٰلک فهوغال۔(29)

> ”جو شخص ہماری طرف سے کسی علاقہ کا وزیر ہو اور اس کے پاس (متعلقہ شہر میں) گھر نہ ہو تو وہ (سرکاری خرچ پر) گھر کا انتظام کر سکتا ہے اگر بیوی نہ رکھتا ہو تو شادی کر لے ،اگر خادم نہ رکھتا ہو تو ایک خادم حاصل کر لے،، اگر سواری نہ رکھتا ہو تو ایک سواری لے سکتا ہے، لیکن اس کے علاوہ جو کچھ لے گا وہ اللہ کے ہاں خائن شمار ہو گا“۔

اس بارے میں خلفاءراشدین کا تعامل بھی بالکل واضح ہے۔ جیسا کہ حضرت عمر فاروقؓ کا دور اس حوالے سے بھی مثالی ہے جس میں ریاستی نظم و نسق میں وسیع تبدیلیاں کی گئیں، جیسے جیسے ریاست کا دائرہ وسیع ہوا تو حضرت عمر فاروقؓ نے مالیات کا باقاعدہ نظام شروع کیا اور اس مالیات کے حساب کتاب کے لیے بھی باقاعدہ ادارہ وجود میں آیا۔ حکمران اور سربراہ ریاست چونکہ بیت المال کا سرپرست ہوتا ہے اس لیے اسے بیت المال میں سے کتنی مقدار میں لینا چاہیے اس کی وضاحت کرتے ہوئے

حضرت عمر فاروقؓ کہتے ہیں

> وانی لا اجد هذ المال یصلحه الا خلال ثلاث:ان یوخذ بالحق ،ویوطی فی الحق ویمنع من الباطل-وانما انا ومالکم کو لی الیتیم ان استغنیت استعففت وان افتقرت

اکلت بالمعروف (30)

"میں اس مال کے معاملہ میں تین باتوں کے سوا کسی چیز کو صحیح نہیں سمجھتا۔ حق کے ساتھ لیا جائے، حق کے مطابق دیا جائے اور باطل سے اس کو روکا جائے۔ مجھ کو تمھارے مال میں صرف اس قدر حق ہے جتنا یتیم کے مربی کو یتیم کے مال میں ہے، اگر میں دولت مند ہوا تو کچھ نہ لوں گا اور اگر محتاج ہوا تو دستور کے مطابق کھانے پینے کے لیے لوں گا"۔

لہذا دور جدید کے حکمرانوں کے لیے ضروری ہے کہ بیت المال کا درست استعمال کریں اور بیت المال سے اپنی ضروریات کے لیے ایک مقرر حد تک لیں۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ حکمرانوں کے لیے بیت المال سے کس حد تک مقرر کیا جا سکتا ہے تو اس کا تعلق تو حالات کے ساتھ ہے، اگر حکمران کا تعلق اچھے خاندان سے ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ اپنے مقاصد کے لیے بیت المال سے کم سے کم مقدار میں لے اور اسی لیے کوئی قانونی ضابطہ بناتے وقت بھی اس بات کا خیال رہے کہ حکمران کو بیت المال میں سے اتنا لینا چاہیے جس سے وہ اپنی ضروریات کو پورا کر سکے۔ مگر ہمارے ہاں حکمران مختلف طریقوں سے بیت المال کا استعمال کرتے ہیں، ضرورت سے زیادہ بیت المال کا استعمال ایک قومی خیانت ہے جس پر کنٹرول کرنے کی ضرورت ہے۔

۸۔ امیر اور مامور میں مساوات

حکمران کے لیے ضروری ہے کہ تمام معاملات میں قانونی تقاضوں کی تکمیل کرے، نفاذ قانون میں امیر و غریب کے امتیاز کو ختم کر کے معاشرے کے ہر طبقے پر قانون کا یکساں نفاذ کرے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے بیعت عام کے بعد مسجد نبوی میں پہلی تقریر فرمائی اس میں امارت کی ذمہ داریوں کا بوجھ محسوس کر کے اسے ناپسند فرمایا:

"اے لوگو میں تم پر والی بنایا گیا ہوں حالانکہ میں تم میں بہتر نہیں ہوں لہذا اگر میں نیکی کروں تو تم میری مدد کرو اگر میں برائی کروں تو تم مجھے سیدھا اور قائم کر دو، راست گوئی امانت ہے اور جھوٹ خیانت ہے اور جو شخص تم میں کمزور ہے وہ میرے نزدیک طاقت ور ہے میں ان شاءاللہ اس کا حق اس کو دلواؤں گا اور جو شخص تم میں قوی اور زبردست ہے وہ میرے نزدیک ضعیف اور کمزور ہے میں ان شاءاللہ اس سے لوگوں کا حق دلواؤں گا جو اس نے جبر سے لے لیا ہے"۔(31)

جہاں تک حکمرانوں میں احساس ذمہ داری کا تعلق ہے تو اس بارے میں حضرت عمر فاروقؓ کا قول ہے

لو هلک حمل من ولد الضان ضیاعا بستاط الفراط خشیت ان یسالنی اللہ (32)

"دریائے فرات کے کنارے ایک بکری کا بچہ بھی اگر ضائع ہو جائے تو مجھے ڈر لگتا ہے کہ اللہ مجھ سے باز پرس کرے گا"۔

گویا اس سے بھی معلوم ہوا کہ جب بھی کوئی حاکم کسی منصب پر فائز ہوتا ہے تو اس کے اندر احتساب کا جذبہ بھی ہونا چاہیے، کیونکہ اس کے پاس جو قومی اختیارات ہیں اس کے لیے وہ تمام اداروں اور عوام الناس کو جواب دہ ہے مگر

پاکستان میں جو اعلیٰ حکام ہیں ان کے دل میں ایسا کوئی جذبہ نہیں ہوتا اس لیے نہ وہ احتساب کے قوانین بناتے ہیں اور نہ ہی وہ جوابدہی کے تصور پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔

قانونی مساوات اور عدل و انصاف کی تکمیل کے حوالے سے ابن طباطبا لکھتے ہیں

"فرمانروا پر رعایا کا ایک حق یہ بھی ہے کہ کمزور کو قوی کی دست درازی سے محفوظ رکھے۔ ادنی کے ساتھ اعلیٰ کے لیے مقابلے میں عدل کرے۔ حدود کو قائم کرے۔ ہر ایک کے حق کو اس کی صحیح جگہ دے۔ داد طلب کی داد رسی کرے اور فریادی کی فریاد رسی کرے۔ قریب و بعید اور ادنیٰ و اعلیٰ کے درمیان فیصلوں میں یکسانی قائم رکھے"۔(33)

قانونی نفاذ کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ عدل و انصاف، قانونی مساوات اور احتساب کے نظام کو فعال بنایا جائے تاکہ ان حکمرانوں میں احساس ذمہ داری بھی ہو اور وہ ملک و قوم کی فلاح کے لیے کام کر سکیں۔

۹۔ احترام قانون

جہاں تک آئین اور قانون کا تعلق ہے تو ریاست میں قانون کی حکمرانی بنیادی حیثیت کی حامل تصور کی جاتی ہے۔ پاکستان چونکہ ایک اسلامی ملک ہے اس لیے اس کے ریاستی نظام میں بھی آئین اور قانون کی حکمرانی سب سے اہم تصور کی جاسکتی ہے۔ کسی بھی ریاست کے شہریوں کو ایک منصفانہ حکومت درکار ہوتی ہے، جو ملک میں آئین اور قانون کی حکمرانی قائم کرے، بلا امتیاز تمام شہریوں کو جان ومال کا تحفظ مہیا کرے اور بلا تاخیر انصاف فراہم کرے۔ ریاست ہر شخص کو مکمل عدل وانصاف اور قانونی مساوات فراہم کرنے کی پابند ہوتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی ذمہ داری کو بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمْ (34)

"مجھے حکم دیا گیا کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں"۔

حکمران جب بھی حکومت میں آتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ ملک میں آئین و قانون کی بالا دستی ہو اور کوئی بھی کام خلاف قانون نہ ہو،اس لیے حکمرانوں کو جو اختیارات دیے جاتے ہیں وہ ان کا بہتر استعمال کر کے ملک میں آئین اور قانون کی بالا دستی کو قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ ایک بنیادی امر ہے کہ جب قانون کا درست نفاذ ہو تو معاشرے میں امن و امان قائم ہو تا ہے اور اسی امن وامان کی آج پاکستان میں بہت ضرورت بھی معلوم ہوتی ہے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنی گورنمنٹ کا بنیادی مقصد بیان کرتے ہوئے کہا

والضعيف فيكم قوى عندى حتى اريح عليه حقه ان شاءالله ولقوى فيكم ضعيف عندى حتى اخذالحق منه ان شاءالله۔(35)

"اور تم میں جو بے اثر ہیں، میرے نزدیک وہ بااثر ہیں یہاں تک کہ میں ان کا حق واپس دلادوں

انشاءاللہ اور تم میں جو باثر ہیں وہ میرے نزدیک بے اثر ہیں یہاں تک کہ میں ان سے دوسروں کا حق وصول کرلوں۔ انشاءاللہ“

حضرت عمرؓ نے خلیفہ ہونے کے بعد اسی حقیقت کا اعادہ ان الفاظ میں فرمایا:۔

واللہ مامنكم اقوى عندى من الضعيف حتى اخذله الحق ولا اضعف عندى من القوى حتى اخذالحق منه۔(36)

”خدا کی قسم، تم میں سے کوئی شخص میرے نزدیک ایک بے اثر سے زیادہ با اثر نہیں ہے، جب کہ میں اس کا حق وصول نہ کروں اور نہ کوئی شخص ایک باثر سے زیادہ بے اثر ہے جب تک کہ میں اس سے دوسرے کا غصب کیا ہوا حق وصول نہ کرلوں“۔

حکومت کرنا بہت بڑی سعادت اور ذمہ داری تصور کی جاتی ہے اور قرآن کریم میں اس کو امانت بھی تصور کیا گیا ہے، گویا حکومتی عہدہ آپ کے پاس امانت ہے اور بہتر یہ ہے کہ اچھے انداز میں اس امانت سے عہدہ برا ہویا جا سکے۔ کسی بھی جمہوری نظام کی معراج یہ ہے کہ حکمران اپنے ذاتی حقوق و معاملات میں ایک عام آدمی کے مساوی ہوں اور ان کو کسی قسم کا کوئی امتیاز حاصل نہ ہو اور ہر شہری اس پر تنقید کا حق رکھتا ہو۔

۱۱۔ اقتدار کے حرص سے احتراز

جہاں تک نظریہ حکومت اور طرز حکمرانی کا تعلق ہے تو اسلامی نظریہ حکومت یہ ہے کہ یہ کوئی پیدائشی اعزاز نہیں بلکہ بہت بڑی ذمہ داری ہے، یہ مقام عزت نہیں بلکہ موقع خدمت ہے، یہ قدرت کا محض عطیہ نہیں بلکہ فریضہ بھی ہے، یہ محض کامیابی ہی نہیں بلکہ آزمائش بھی ہے، اس لیے عام حالات میں عہدوں اور منصب کی طلب نہیں بلکہ اس سے بچنے کی آرزو کرنی چاہیے، قرآن وحدیث کی متعدد نصوص میں اس تصور کی ترجمانی کی گئی ہے۔ اس لیے ہم کہ سکتے ہیں کہ حکومت کے لیے وہ افراد غیر موزوں ہوتے ہیں جو عہدہ حاصل کرنے کے طالب ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِى الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا، وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (37)

”وہ آخرت کا گھر تو ہم ان لوگوں کے لیے مخصوص کر دیں گے جو زمین میں اپنی بڑائی نہیں چاہتے اور نہ فساد کرنا چاہتے ہیں۔ اور انجام کی بھلائی متقین ہی کے لیے ہے“۔

اس لیے ہم کہ سکتے ہیں کہ کوئی سمجھدار شخص عام حالات میں ایسی کوئی ذمہ داری لینا پسند نہیں کرتا جس کو وہ بعد میں پورا نہ کرسکے۔ اس لیے جو شخص محض نمود و نمائش کے لیے حکمرانی کی خواہش کرتے ہیں ایسے شخص کو ناپسندیدہ قرار دیا جاتا ہے اور اصولی طور پر اس کو یہ ذمہ داری نہیں دی جاسکتی۔ احادیث مبارکہ میں ہمیں اس کی وضاحت ملتی ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے

انا لا نولی هذامن سالة ولا من حرص علیه (38)

"ہم کسی ایسے شخص کو یہ ذمہ داری عطا نہیں کرتے جو اسے طلب کرے اور نہ اسے دیتے ہیں جو اس کا حریص ہو"۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں اس کی وضاحت یوں ملتی ہے

ان اخونکم عندنا من طلبه (39)

"جو شخص یہ ذمہ داری طلب کرتا ہے وہ ہمارے نزدیک سب سے بڑا خائن ہوتا ہے"۔

من استعملناه منكم على عمل فكتمنا مختطاءفما فوقه كان غلولا ياتى به يوم القيامة(40)

"عدی بن عمیرہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ نے فرمایا جس شخص کو ہم تم میں سے کسی کام پر مقرر کریں پھر وہ ایک سئی یا اس سے زیادہ چھپا رکھے تو وہ غلول ہے قیامت کے دن اس کو لے کر آئے گا"۔

عن ابی هريره عن النبیﷺ قال انكم ستحرصون على الامارة و ستكون ندامة يوم القيامةفنعم المرضعة وبئست الفاطمة(41)

"حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم حکومت کا لالچ کرو گے اور یہ قیامت کے دن تمھارے لیے باعث ندامت ہو گی پس کیا ہی بہتر ہے دودھ پلانے والی اور کیا ہی بری ہے دودھ سے چھڑانے والی"۔

مندرجہ بالااحادیث میں عہدہ یا منصب کو طلب کرنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے جس کا پورا کرنا بہت ضروری ہوتا ہے مگر یہ انسانی فطرت ہے کہ جو کوئی منصب کی خواہش کرتا ہے وہ اپنی فطری صلاحیتوں سے بڑھ کر آرزو کر بیٹھتا ہے یہی وجہ ہے کی بعض اوقات وہ ذمہ داریوں کا درست استعمال نہیں کر پاتا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ﷺ نے جتنے بھی عہدوں پر لوگوں کو فائز کیا وہ ان کی فطری صلاحیتوں کے مطابق تھے اور جس نے اس سے زیادہ کی آرزو کی اس کو اس عہدے سے منع کر دیا۔ دور جدید میں تو فطری صلاحیتوں کو سامنے نہیں رکھا جاتا بلکہ اس عہدے اور منصب کی اہمیت کو سامنے رکھا جاتا ہے اور خدمت خلق کا جو جذبہ ہوتا تھا (کسی بھی عہدے اور منصب کو حاصل کرنے کے لیے) آج ایسے تمام جذبے مفقود ہوگئے ہیں اس لیے ہم دیکھتے ہیں کی عہدوں کے حصول کے لیے بہت سے طریقے ازمائے جاتے ہیں اور خدمت خلق کی بجائے خود پرستی کا رجحان زیادہ ہوگیا ہے۔ اس کامطلب یہ ہے کہ بس(جو کرنا ہے اپنی ذات کے لیے کرو اپنے حقوق کا خیال رکھو) اپنے استحقاق طلب کرو ساری مراعات کو اپنے لیے محدود کر لو اور جو لوگ آپ کے زیر تسلط ہیں وہ چاہیے اندھیروں کی اتھاہ گہرائیوں میں

رہیں ان پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

۱۳۔ انتظامی مشینری کا بہتر استعمال

کسی بھی ریاست میں ایسا حکمران اور قائد ہونا چاہیے تو انتظامی مشینری کا بہتر استعمال کر سکے، کیونکہ جب بھی ہم حکومت اور طرز حکمرانی کی بات کرتے ہیں تو یہ ایک حقیقت ہے کہ جب بھی کوئی شخص نظام حکومت کا حصہ بنتا ہے اور بطور حاکم اپنی ذمہ داریاں سنبھالتا ہے تو پھر ان ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے اسے وسیع تر اختیارات کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان اختیارات کا استعمال وہ مختلف طریقوں سے کرتا ہے۔ بنیادی طور حکمران ریاستی نظم و نسق، عوامی فلاح و بہبود اور بنیادی انسانی حقوق کے تحفظ کے لیے اس کا استعمال کرتے ہیں۔ جہاں تک انتظامی مشینری کے استعمال کا تعلق ہے تو اس حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے دو باتوں کا ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔

۱۔ انتظامی مشینری کا جائز استعمال ۲۔ دوسروں کی حق تلفی سے گریز

انتظامی مشینری صرف ریاستی مقاصد کے لیے استعمال ہوتی ہے اور ایسے تمام کام جن کے لیے انتظامی مشینری استعمال کی جاتی ہے وہ تمام کام قانون کے دائرے میں رہ کر سر انجام دیے جائیں، اس کے لیے یہ بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ تمام قانونی تقاضوں کی تکمیل کی جائے اور قانونی رکاوٹوں کو نہ توڑا جائے اور نہ ان کو پامال کیا جائے۔ اگر ہم پاکستان کے ریاستی نظام میں اس کے استعمال کا جائزہ لیں تو ہمارے حکمران اس سے بالاتر نظر آتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہمیں ان کے فرائض سے زیادہ ان کی پسند اور ناپسند کا عنصر واضح اور عیاں نظر آتا ہے۔ بالکل اسی طرح بعض اوقات وہ دوسروں کے حقوق کی تلفی، سیاسی طاقت کے استعمال، حالات کو اپنے مفاد میں استعمال کرنے اور مفاد عامہ کے نام پر غیر قانونی سرگرمیوں کے لیے انتظامی مشینری کا استعمال کرتے نظر آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی حکومتی مشینری فعال ہو تب محکوم طبقے کی کسی بھی فورم پر شنوائی ہوتی نظر نہیں آتی۔ لہٰذا حکمران طبقہ کو انتظامی مشینری کا بہتر استعمال کرنا چاہیے، کیونکہ فرائض کی بجا آوری میں انتظامی مشینری کا درست استعمال ہی ان کے طرز حکمرانی کا صحیح عکاس ہو سکتا ہے۔

۱۴۔ بہترین نمونہ عمل

جب ایک اچھے حکمران اور قائد کی بات کی جاتی ہے تو طرز حکمرانی میں ایک اہم چیز قومی خدمت کا جذبہ نظر آتا ہے۔ قوموں کی تعمیر و ترقی میں ایک قائد کا بنیادی کردار ہوتا ہے جو قوموں کے طرز زندگی کو اپنے مثالی وژن سے بہتر بنا دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اچھا قائد ہمیشہ وہ ہوتا ہے جس مطمع نظر قوموں کا عروج ہوتا ہے اور قوموں کا معیار زندگی تب ہی بلند ہوتا ہے جب ان کے لیے بہتر پالیسیاں وضع کر کے ان پر عمل درآمد بھی کرایا جاتا ہے۔ اس لیے کسی بھی حکمران کی شخصیت میں جس چیز کی جھلک سب سے پہلے دیکھی جانی چاہیے وہ قومی خدمت کا جذبہ ہونا چاہیے۔ چنانچہ یہ ضروری ہوتا ہے کہ حکمرانوں اور قائدین کو ریاستی نظم و نسق میں بطور نمونہ پیش کرنا چاہیے۔ اختیارات کا استعمال ایسے کرنا چاہیے کہ ان کے ہر عمل سے جذبہ حب الوطنی واضح طور پر محسوس کی جا سکے۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ

مرت ابل الصدقة علی رسول اللہ ﷺ قال: فاهوى بيده الى وبرة من جنب بعير فقال:

ما انا باحق بھذہ الوبرة من رجل من المسلمین۔ (42)

"ایک مرتبہ (بیت المال کے) صدقہ کے کچھ اونٹ رسول اللہ ﷺ کے سامنے سے گزر رہے تھے، نبی ﷺ نے ایک اونٹ کے پہلو سے اپنے ہاتھ سے اس کی اون پکڑی اور فرمایا کہ میں ایک عام مسلمان کی نسبت اس اون کا بھی کوئی زائد استحقاق نہیں رکھتا"۔

اس سے معلوم ہوا کہ حکمران اور سرکاری حکمران، سرکاری املاک کے سلسلہ میں ایک ملک کے عام باشندہ کی طرح ہیں، انہیں اس میں ناحق و بے جا تصرف کرنا اور دوسروں کے مقابلہ میں اپنے آپ کو ترجیح دینا جائز نہیں، جیسا کہ آج کل حکمران اور سرکاری افسران شاہ خرچیاں کرتے اور سرکاری اموال واشیاء(روپیہ پیسہ، بجلی، ٹیلی فون، گیس اور دیگر چیزوں) میں مال مفت، دل بے رحم کا کردار ادا کرتے ہیں۔حضرت عمر فاروق کے یہ الفاظ بھی کافی قابل غور ہیں

"اے لوگوں میں تمھارے مالوں پر اس سے زیادہ حق نہیں رکھتا جو ایک ولی یتیموں کے مال پر رکھتا ہے، تم میرے خلاف بہت سے حقوق رکھتے ہو جنھیں تم مجھ سے طلب کر سکتے ہو ان میں سے ایک حق یہ ہے کہ میں نہ تو محاصل یا مال غنیمت کو نا جائز طریقے سے حاصل کروں‍اور نہ انھیں ناجائز طریقے سے خرچ کروں اور دوسرا حق یہ ہے کہ میں تمھارے وظائف میں اضافے کی کوشش کروں گا اور سرحدوں کی حفاظت کروں گا اور یہ کہ میں تمھیں غیر ضروری خدشات و خطرات میں نہیں ڈالوں گا"۔(43)

حضرت عمر فاروقؓ کے اس فرمان میں آج کے جدید حاکم کے لیے دو باتیں بہت غور طلب ہیں ان میں سے ایک بات تو یہ ہے کہ اپنے حقوق سے زیادہ عوام کے حقوق کا خیال رکھنا اور عوام کے حقوق کا مطلب یہ ہے کی اپنی آرائش کو کم کر کے عوام کی بنیادی ضروریات کو پورا کرنا اور جو ریاست کا نظام محاصل ہے اس کی حفاظت کرنا نہ خود اس میں شاہ خرچی کرنا اور نہ کسی اور کو اس کی اجازت دینا اور دوسری اور بہت اہم بات یہ ہے کہ اپنی مراعات کی بجائے عوام الناس کے وضائف میں اضافہ کرنا اور بیروز گاری کا خاتمہ کرنا اور انھیں بنیادی سہولیات کا فراہم کرنا وغیرہ شامل ہے۔

خلاصہ بحث

الغرض قیادت وسعادت کا تصور کوئی نیا نہیں ہے بلکہ اس کا تصور (انبیائے کرام سے کر جدید جمہوری ریاستوں میں) ملتا ہے۔اس کا بنیادی کام لوگوں کی راہنمائی کرنا، انھیں اچھے اور برے کی تمیز سکھانا اور ان کی تربیت کر کے انھیں معاشرے کا ایک اچھا شہری بنانا مقصود ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ جدید جمہوری ریاستوں میں جہاں ہمیں قومی قیادت کا تصور ملتا ہے وہیں طرز حکمرانی میں اس کی اہمیت بھی واضح ہو جاتی ہے۔اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قومی اور ملی معاملات کی سرانجامی کے لیے قائد ہوتا ہے جو ریاستی معاملات اور لوگوں کے حالات کے مطابق ان کی سربراہی کرتا ہے۔اس لیے اس قومی راہنما یا سربراہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ

تمام اوصاف کا مالک ہو جس سے اس کی شخصیت ان اوصاف کی عکاس نظر آئے۔ ان اوصاف میں سچائی، راست بازی، بردباری، تحمل مزاجی وغیرہ شامل ہے، اس کے علاوہ اچھا منتظم و مدبر، لوگوں کے حقوق کا خیال رکھنے والا، آئین اور قانون کی بالادستی قائم کرنے والا اور ریاستی نظا کو بہتر طور پر چلانے والا ہو۔ پاکستان جو کہ ایک اسلامی جمہوریہ ہے، جس کا حصول اسلام کے نام پر ہوا اور اس میں اسلامی طرز حیات اور اسلامی حکومتی نظام ہونا چاہیے تھا مگر ایسا مکمل طور پر نہیں ہو سکا۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس جمہوریہ پاکستان میں ایک ایسے قائد کی ضرورت ہے جو قومی اور لسانی تعصبات سے بالاتر ہو کر صحیح معنوں میں اسلامی اصولوں کے مطابق ریاستی نظام کو چلانے کی اہلیت اور صلاحیت رکھتا ہو۔ اس کا بنیادی مقصد انفرادی اور گروہیت سے زیادہ اجتماعی نظام کو قائم کرنے اور اس کے لیے پالیسیاں وضع کرنا ہو۔ ریاستی نظام کی بہتری کے لیے ایک وژن رکھتا ہو، اندرونی اور بیرونی تمام مسائل سے آگاہ ہو، ان مسائل کو حل کرنے میں واضح لائحہ عمل رکھتا ہو، بیرونی دباؤ سے زیادہ اندرونی حالات کے مطابق اپنی پالیسیاں وضع کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو اور بیرونی دباؤ کے برداشت کرنے کا ملکہ بھی حاصل ہو۔

پاکستان جس کو اس وقت دہشت گردی اور انتہاپسندی جیسے مسائل کا سامنا ہے اور امن وامان کے قیام کے لیے ہر دور میں ممکنہ کوششیں ہوتی رہی ہیں، اس لیے بھی ہمیں ایک ایسے قومی قائد کی ضرورت ہے جو ہمیں ان تمام مسائل سے نجات دلا کر مملکت پاکستان کو امن وامان کو گہوارہ بنادے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم باہمی تنازعات سے بھی نکل کر ایک قومی اور ملی سوچ وفکر کے ساتھ آگے بڑھنا ہو گا اس کے نتیجے میں ہی ہم کسی ایسے قومی قائد کو نکھارنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں جو پاکستان کی مزید تعمیر و ترقی میں نہ صرف اپنا کردار ادا کرے گا بلکہ پاکستانی قوم کو ترقی یافتہ اور اس معاشرے کو بھی خوش حال بنا سکے گا۔

نتائج تحقیق

۱۔ قائد اس شخص کو کہا جاتا ہے جو لوگوں کو منظم کر کے ان کی قیادت کرے اور قومی قائد سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جو ملکی حالات پر نظر رکھتا

ہو، اندرونی اور بیرونی مسائل سے واقف ہو، پالیسی دینے کی صلاحیت رکھتا ہو، قومی اور عوامی مشکلات سے آگاہ ہو اور بروقت وبرمحل فیصلے

کرنے کی قوت تامہ رکھتا ہو۔

۲۔ قومی قائد تعلیم یافتہ، باصلاحیت اور اچھا منتظم ہوتا ہے

۳۔ اچھا قائد تحمل، بردبار اور لوگوں کی جان مال کا محافظ ہوتا ہے

۴۔ اچھا قائد بہترین منصوبہ ساز ہوتا ہے

۵۔ قومی قائد ملکی مسائل سے آگاہ ہوتا ہے، انتظامی مشینری کو درست استعمال میں لاتا ہے اور عوام الناس کے لیے بہترین نمونہ عمل ہوتا ہے۔

سفارشات

۱۔ قومی قائد کا انتخاب محض سیاسی وابستگی کی بنیاد پر نہیں بلکہ انتظامی صلاحیتوں کی بنیاد پر کیا جانا چاہیے

۲۔ قائد کا انتخاب حسب نسب کی بجائے اہلیت و معیار پر ہونا چاہیے

۳۔ قائد وژنری ہونا چاہیے اور مستقبل کے حالات کو سامنے رکھ کر منصوبہ بندی کرنے والا ہونا چاہیے

۴۔ اچھا قائد باہمی تنازعات کی بجائے قومی و ملی سوچ کا عکاس ہونا چاہیے

۵۔ قومی قائد بہادر ہونا چاہیے جو اندرونی اور بیرونی دباؤ کو برداشت کرکے قومی امنگوں کے مطابق ریاستی نظام کو چلاسکے

حواشی و مراجع

[1]۔ امام طبری، ابوجعفر محمد بن جعفر بن جریر، تاریخ الامم والملوک (تاریخ طبری)، مطبوعہ در سویدان بیروت لبنان، ج ۱، ص ۱۸۷

[2]۔ افریقی، ابن منظور، لسان العرب، دار صادر بیروت لبنان، ج ۱۱، ص ۳۴۱

[3]۔ لوئس معلوف، المنجد، خزینہ علم وادب اردو بازار لاہور، ص ۷۴۷

[4]۔ الزبیدی، محمد مرتضی الحسینی، تاج العروس من جواہر القاموس، کویت ۱۹۶۵ء، ج، ص ۲۰۹

[5]۔ مختصر اردو لغت، فروغ اردو زبان دہلی، ۲۰۰۹ء، ص ۶۹۹

[6]۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور ج ۱۵، ص ۱۹۸

[7]۔ ایضاً، ج ۳، ص ۱۲

[8]۔ مختصر اردو لغت، ص ۵۴۳

[9]۔ فیروز الدین، فیروز اللغات، فیروز سنز لاہور، ص ۳۲۷

[10] ابن طباطبا، محمد علی بن علی، الفخری، مترجم محمد جعفر شاہ پھلواڑی، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ص ۲۶

[11] ابوالفضل ابن مبارک، آئین اکبری، مترجم محمد فدا طالب، جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن، ۱۹۳۹، ص ۳

[12]۔ البقرۃ، ۲: ۲۴۷

[13] ولی الدین ابو عبد اللہ، مشکوۃ المصابیح، مکتبہ محمدیہ ساہیوال، ۲۰۰۵ء، باب الفیٔ، ج ۳، ص ۳۸۷، حدیث نمبر ۴۰۶۱

[14] قاضی ابو یوسف، ، کتاب الخراج، ص ۷

[15] قاضی ابو یوسف، کتاب الخراج، ص ۱۱۴

[16]۔ امام بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب قول النبی ﷺ: رب مبلغ أوعی من سامع، حدیث نمبر ۶۷

[17]۔ ہیکل، محمد حسین، الفاروق عمر، قاہرہ ۱۳۶۴ھ، ص ۵۶

[18]۔ امام غزالی، محمد بن محمد ابو حامد، التبر المسبوک فی نصائح الملوک، مطبعہ خیریہ مصر ۱۳۰۶ھ، ص ۹۴

[19]۔ ابوالفضل ابن مبارک، آئین اکبری، مترجم محمد فدا طالب، جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن، ۱۹۳۹ء، ج ۲، ص ۴

[20]۔ امام حاکم، مستدرک حاکم، ج ۲، ص ۹۳، کتاب الاحکام، حدیث نمبر ۷۰۲۷

[21] امام ترمذی، سنن ترمذی، کتاب الاحکام عن رسول اللہ، باب ماجاء فی امام الرعیۃ، حدیث نمبر ۱۳۳۲

[22]۔ امام مسلم، الصحیح، کتاب الامارۃ، باب فضیلۃ امام عادل وعقوبۃ الجائر، حدیث نمبر ۴۷۲۲

[23]۔ امام مسلم، الصحیح، کتاب الجہاد والسیر، باب تامیر الامام الامراء والمبعوث، حدیث نمبر ۱۷۳۱

[24]۔ امام احمد مسند احمد بن حنبل، حدیث نمبر ۲۰۳۱۵

[25]۔ امام طبرانی، القاسم سلیمان بن احمد، المعجم الکبیر، دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان، ج ۲۰، ص ۲۲۱، حدیث نمبر ۵۱۳

[26]۔ امام بخاری، الجامع الصحیح، کتاب اصحاب النبی ﷺ، باب مناقب ابی عبیدہ بن جراح، حدیث نمبر ۳۷۴۵

[27]۔ امام بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الزکوۃ، مباب اجر الخادم اذا تصدق بامر ھصاحبہ غیر مفسد، حدیث نمبر ۱۴۳۸

[28]۔ ابن کثیر عماد الدین، ابع الفداء اسماعیل بن کثیر، البدایہ والنہایہ، مطبعہ السعادہ مصر، ج ۷، ص ۱۳۴

[29]۔ علی متقی، کنز العمال، حدیث نمبر ۳۴۶۶، امام احمد، مسند احمد، حدیث نمبر ۱۸۰۱۵

[30]۔ قاضی ابویوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج، دار المعرفہ بیروت لبنان، ص ۱۱۷

[31]۔ ابن ہشام، محمد بن عبد الملک، سیرۃ ابن ہشام، مترجم سید یسین علی حسنی نظامی، ادارہ اسلامیات لاہور، ج ۲، ص ۴۳۷

[32]۔ علی متقی، کنز العمال ج ۵، ص ۷۰۳، حدیث نمبر ۱۴۲۹۴

[33]۔ ابن طباطبا، محمد علی بن علی، الفخری، مترجم محمد جعفر شاہ پھلواڑی، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ص ۴۰

[34]۔ الشوریٰ، ۴۲: ۱۵

[35]۔ محمد حسین ہیکل، سیرت الصدیق ابی بکر، ص ۲۷

[36]۔ ایضاً، ص ۲۸

[37]۔ القصص، ۸۳

[38] امام بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الاحکام، باب مایکرہ من الحرص علی الامارۃ، ج ۸، ص ۳۷۹، حدیث نمبر ۱۴۸۷

[39] امام ابوداؤد، سنن ابوداؤد، کتاب الخراج والفیٔ والامارۃ، باب ماجاء فی طلب الامارۃ، ج ۲، ص ۳۵۵، حدیث نمبر ۱۱۵۶

[40] امام مسلم، الصحیح، کتاب الامارۃ، باب غلظ تحریم الغلول، حدیث نمبر ۴۷۴۳

[41] امام بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الاحکام، باب مایکرہ من الحرص علی الامارۃ، ج ۸، ص ۳۷۹، حدیث نمبر ۱۸۴۸۱، امام نسائی، سنن نسائی، کتاب البیعہ، باب النہی عن المسالۃ لامارۃ، ج ۳، ص ۵۱۵، حدیث نمبر ۵۳۹

[42]۔ امام احمد بن حنبل، مسند احمد، حدیث نمبر ۶۶۷

[43]۔ الہیثمی، نورالدین علی بن ابوبکر، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، محقق محمد عبد القادر عطا، دار لکتب العلمی ۲۰۰۱ء، ج ۵، ص ۱۸۶